38

حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کا درجہ

(فرمودہ یکم دسمبر ۱۹۱۶ء)

سورۂ فاتحہ اور مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰيٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَيۡغٌ فَيَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِيۡلِهٖ ۚ وَمَا يَعۡلَمُ تَاۡوِيۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ‌ۘ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ يَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ۝ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ۝[1]

اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت قدیم سے چلی آتی ہے کہ اس کے کلام میں ایک حصہ محکمات کا ہوتا ہے اور ایک حصہ متشابہات کا اور اس میں بڑی بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ ایک حکمت تو یہی ہے کہ اس طرح کمزور ایمان والوں اور قوی ایمان والوں کی، متقیوں اور غیر متقیوں کی، صالحین اور غیر صالحین کی پرکھ ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں کا ایمان کمزور ہوتا ہے وہ تو متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور علم کی کمی یا تقویٰ کے فقدان یا ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ایسی راہ اختیار کر لیتے ہیں جو ان کی ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ لوگ جن میں تقویٰ و طہارت کا مادہ ہوتا ہے، جن کے ایمان مضبوط ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی عظمت گھر کئے ہوئے ہوتی ہے وہ متشابہات کے پیچھے ایسے رنگ میں نہیں پڑتے جو ان کے یمان کے ضائع کرنے کا باعث ہو۔ پس چونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے مخلص اور پیارے

---

[1] آل عمران : ۸ تا ۱۰۔

بندوں کو کمزوروں اور منافقوں سے علیحدہ کرنا چاہتا ہے اِس لئے اپنے کلام میں مُحکمات اور متشابہات دونوں کو رکھ دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر نبی پر جو اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا ہے اس میں مُحکمات اور متشابہات ہوتے ہیں۔ ایک بڑی وجہ مُحکمات اور متشابہات کے بیان کرنے کی تو یہی ہوتی ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جتنی ایسی چیزیں پیدا کی ہیں جن کی تخلیق میں کسی قسم کا اِنسانی دخل اور تصرف نہیں ہوتا بلکہ وہ براہِ راست خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ایسی بات رکھی گئی ہے کہ ان پر جس قدر غور و خوض کیا جائے اُن کے متعلق اسی قدر علم وسیع ہوتا جاتا ہے اور ایسی چیزوں میں خدا تعالیٰ نے ایسے علوم پوشیدہ رکھے ہوتے ہیں کہ جو کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے بلکہ جب بھی انسان ان پر غور کرے نئے نئے علوم کُھلتے رہتے ہیں۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں اِنسان اپنے جسم میں ہی دیکھ لے انسانی جسم کی تشریح کو ہی آج تک دُنیا مکمل نہیں کر سکی۔ اس کی اَور خصوصیات کو جانے دو جو انسان کے رُوح اخلاق وعادات کے متعلق ہیں پھر یہ کہ علوم کا منبع کیا ہے، علوم کِس جگہ سے پیدا ہوتے ہیں، اِنسان کے فیلنگ کا کس چیز سے تعلق ہے وغیرہ وغیرہ یہ مختلف شاخیں ہیں ان سب کو چھوڑ کر صرف اِنسان کی صحت اور بیماری کو ہی لے لو اس کے متعلق ہی دُنیا کِسی قطعی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکی۔ اِس بات پر بحث کی گئی ہے کہ طبِ یونانی قدیم ہے یا طبِ ہندی یا یہ کہ دونوں ایک ساتھ شروع ہوئی ہیں یا آگے پیچھے۔ اکثروں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہندی طِب پہلے کی ہے اور طبِ یونانی بعد کی۔ میرے نزدیک بھی یہی بات درست اور صحیح ہے۔ اِس لحاظ سے تین زمانے ہوتے ہیں۔ ایک وہ زمانہ جس میں ہندی طب کا نشوونما ہُوا اور اس نے اتنی ترقی اور عروج حاصل کیا کہ اس کے ماہرین کے نزدیک کوئی ایسی بات باقی نہ رہ گئی جو انسانی صحت اور تندرستی کے لئے ضروری تھی لیکن اس کے بعد دوسرا زمانہ وہ شروع ہوُا جس میں طبِ یونانی کا ظہور ہوُا اور یہ اتنی بڑھی کہ باوجود اس کے کہ ہندی طب کو ایک علم کہا جاتا تھا اس کے ماہرین نے کہہ دیا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ وہ جہالت اور نادانی ہے۔ اس کے بعد تیسرا زمانہ وہ شروع ہوُا جس میں ڈاکٹری شروع ہوئی اور اس نے ایسی ترقی کی کہ آج طبِ یونانی اور طبِ ہندی کو اس کے مقابلہ میں ہیچ اور ناکارہ قرار دیا جاتا ہے حالانکہ وہ دونوں اپنی اپنی ذات میں ایک ایک علم ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی بعض باتیں غلط ثابت ہوئی ہیں اور بعض باتوں میں نقص پایا گیا ہے اِس لئے وہ قابلِ اِلتفات نہیں تو یہ بات انگریزی طب میں بھی پائی جاتی ہے اس کی بعض باتیں بھی آئے دن بدلتی رہتی ہیں لیکن کسی علم میں کچھ غلطیاں ثابت ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہوُا کرتا کہ وہ علم ہی نہیں ہے اِس طرح کرنے سے تو کوئی علم بھی علم نہیں کہلا سکتا۔ تو یہ تینوں علم ہیں۔ یونانی طب سے پہلے ہندی طب بھی ایک علم تھا اور بڑی بڑی کوششوں اور جانفشانیوں سے دریافت کیا گیا تھا لیکن جب یونانی طب ظاہر ہوئی تو اِسے جہالت قرار دیا گیا۔ اس کے بعد یونانی

طب کا دَور دَورہ ہؤا لیکن جب ڈاکٹری ظاہر ہوئی تو اسے جہالت کہہ دیا گیا۔ اَب ڈاکٹری کے بھی کئی دَور رہے ہیں اور چونکہ موجودہ زمانہ میں ہر ایک قسم کے علوم بہت ترقی کر گئے ہیں اِس لئے ڈاکٹری کے دَور بہت جلدی جلدی بدلتے رہتے ہیں۔ یوں تو کوئی خیال کر سکتا ہے کہ اب چونکہ علوم میں بہت ترقی ہو گئی ہے اِس لئے اب کسی بات کے متعلق جو رائے قائم کی جائے اسے پہلے کی نسبت بہت مضبوط اور پختہ ہونا چاہیئے کیونکہ وہ زیادہ تجربہ اور بہت تحقیق کے بعد قائم ہوگی۔ لیکن حالت اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اگر پہلے کسی بات میں ہزار سال کے بعد تبدیلی واقع ہوتی تھی تو آج سال دو سال کے اندر ہی تبدیلی ہو جاتی ہے اِس لئے آج جو طبّی رائے ہوتی ہے وہ دو سال کے بعد بدل جاتی ہے۔ اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس رائے سے پہلے جو کچھ رائے تھی وہ علم ہی نہیں تھا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی علم تھا لیکن اب اس سے بہتر علم نکل آیا ہے۔ تو انسانی جسم کے متعلق جو ایک چھوٹی چیز ہے جس کے متعلق پہلے لوگ بھی تحقیقات میں لگے رہے ہیں اور اب بھی لگے ہوئے ہیں لیکن یہ مکمل ہونے میں نہیں آتی۔ انسان کا جسم بڑے سے بڑا اگر سات گز کا بھی سمجھ لیا جائے حالانکہ موجودہ زمانہ میں اِس قد کا کوئی انسان نظر نہیں آتا پھر بھی کیا ہے ایک بہت ہی محدود شئے ہے مگر خدا تعالیٰ نے اس کے ساتھ اس قدر علوم کو وابستہ کر دیا ہے کہ انسان دیکھ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ اِنسانی جسم کے صرف اسی شعبہ کے متعلق کیوں اس قدر علوم نکل رہے ہیں اِس لئے کہ خدا تعالیٰ کی ہر ایک پیدائش ذوالوجوہ ہوتی ہے اس کا تعلق صرف ایک بات سے نہیں بلکہ بیسیوں اور ہزاروں سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بیماریوں کے علاج کے لئے بعض تو دوائیوں کی طرف چلے گئے ہیں بعضوں نے یہ ایجاد کیا ہے کہ جس عضو میں بیماری ہو اس کو کاٹ کر نکال دینا چاہیئے۔ بعض نے یہ کہا کہ بیمار عضو کو کاٹنا نہیں چاہیئے بلکہ اس کو اچھا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ بعضوں نے ٹیکے ایجاد کئے۔ پھر دوائیوں کی طرف جانے والوں میں سے کچھ ایسے بھی نکل آئے جنہوں نے کہا کہ بیمار کو دوائیوں کے قدحے بھر بھر دینے سے فائدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اِس طرح دوائی کا اثر پھیلا ہؤا ہونے کی وجہ سے بہت کم اور بہت دیر میں ہوتا ہے اِس لئے دوائیوں کا اثر نکال کر بیمار کو دینا چاہیئے۔ تو یہ نئے نئے علاج نکلتے آتے ہیں اور جس قدر زیادہ غور و خوض کیا جاتا ہے اسی قدر اس فن میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ پھر اب تو بعض نے غسل سے صحت حاصل ہونے کا طریق نکالا ہے اور بعض نے رنگوں سے یہ کام لیا ہے۔ بعضوں نے مالشوں سے علاج کرنا شروع کر دیا ہے۔ بعضوں نے دبانے اور بھاپ کے علاج نکالے ہیں۔ یہ علاج پہلے کہاں تھے۔ لیکن انہی پر بس نہیں ہو گئی آئے دن نئی نئی باتیں نکلتی رہتی ہیں۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو چیز خدا نے پیدا کی ہے اس میں اس قدر علوم بھرے پڑے ہیں کہ ان کا احاطہ آج تک نہ کوئی انسان کر سکا اور نہ کبھی کر سکے گا یہی حالت خدا تعالیٰ کے کلام کی بھی ہے لیکن خدا تعالیٰ کے قول اور فعل میں ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے فعل

سے تو انسان کا کوئی تعلق نہیں لیکن قول سے تعلق ہے کیونکہ وہ انسانوں کے لئے ہی نازل ہوتا ہے اِس لئے ضروری تھا کہ وہ انسانوں کی زبان میں ہی نازل کیا جاتا لیکن انسانوں کی بنائی ہوئی چیز محدود ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کو بھی انسانی زبان میں جو محدود ہے کلام نازل کرنا تھا کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پھر خدا تعالیٰ کے کلام کو سمجھتا کون۔ اِس میں شک نہیں کہ عربی زبان الہامی ہے لیکن وہ نہیں محفوظ رہ سکتی تھی جب تک کہ اس کا تعلق انسانوں سے نہ ہوتا۔ انسانوں کے ساتھ تعلق رکھنے کے بغیر وہ مٹ جاتی۔ خدا تعالیٰ کی دوسری پیدا کردہ چیزوں کا تعلق اگر انسان سے نہ ہوتا تو وہ زندہ رہ سکتی تھیں مثلاً اگر انسان گھوڑوں کو نہ پالتا تو وہ جنگلوں میں پل سکتے تھے جیسا کہ اب بھی بعض جنگلوں میں پلتے ہیں۔ یہی حال اَور چیزوں کا ہے۔ لیکن عربی زبان کا تعلق جب تک اِنسانوں سے نہ ہوتا وہ قائم نہ رہ سکتی تھی اِس لئے خدا تعالیٰ نے اسے بنایا تو محدود لیکن اس میں وسعت پیدا کرنے کا ایک اَور طریق رکھا اور وہ یہ کہ استعاروں اور تشبیہوں میں معانی کی وسعت رکھی گئی۔ یہ بالکل صحیح بات ہے کہ عربی زبان میں جس قدر وسعت ہے اس قدر دُنیا کی اَور کسی زبان میں نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ دُنیا کو جو اپنے معارف اور حقائق سمجھانا چاہتا تھا ان کو یہ زبان بھی نہیں اُٹھا سکتی تھی اِس لئے اس میں خدا تعالیٰ نے اِستعارہ کا رنگ اختیار کیا اور اِس طرح لغت بہت وسیع ہوگئی۔ چونکہ الفاظ محدود اور پھر ان کے معانی محدود تھے اِس لئے وہ خدا تعالیٰ کے غیر محدود معارف کا احاطہ نہیں کر سکتے تھے اِس لئے خدا تعالیٰ نے روحانی علوم کو وسیع کرنے کے لئے اپنے کلام میں ابتداء سے ہی تشبیہہ اور استعارے کا باب کھول رکھا ہے چنانچہ دُنیا میں جس قدر ایسی کتابیں موجود ہیں جن کی نسبت دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہیں ان میں سے ایک بھی تو ایسی نہیں ہے جس میں استعارے اور تشبیہات نہ ہوں۔ حضرت داؤدؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور بہت سے انبیاء پر خدا تعالیٰ کے کلام کے نازل ہونے کی تو قرآن کریم تصدیق کرتا ہے ان کے علاوہ قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ ہر ایک قوم میں نبی آئے ہیں[1] اور ایسی قومیں اب بھی موجود ہیں جو اِس بات کا دعویٰ کرتی ہیں کہ ہم میں نبی آئے۔ اُن کے پاس جو کلام موجود ہے گو وہ کسی صورت میں ہی ہو تاہم اس میں بھی استعارے پائے جاتے ہیں اور قرآن کریم میں تو استعاروں کے لئے بڑا وسیع دروازہ کُھلا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے اِبتداء سے جو اپنے کلام میں یہ طریق جاری کیا ہُوا ہے اور تمام نبیوں پر اسی طرح نازل ہُوا ہے تو اس میں کوئی بہت بڑی حکمت ہے ورنہ کیا یہ یونہی ہے ہرگز نہیں۔ خدا تعالیٰ کے کلام کی نسبت یہ کبھی وہم وگمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پس اِس میں یہی حکمت ہے کہ اِس طرح معانی اور مطالب میں وسعت ہو جائے اور انسان کے لئے روحانی علوم میں ترقی کرنے کا

---

[1] الرعد: ۸، فاطر: ۲۵

دروازہ کُھل جائے کیونکہ اِس طرح الفاظ میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ جو کبھی ختم ہونے میں ہی نہیں آتی۔

لیکن استعارہ اور تشبیہہ کا دروازہ کھولنے میں ایک دِقّت بھی تھی اور وہ یہ کہ بعض اَوقات اِنسان اس کی وجہ سے اصل راستہ کو چھوڑ کر کہیں کا کہیں نکل جاسکتا تھا اِس لئے خدا تعالیٰ نے ایک علاج مقرر کر دیا اور وہ یہ کہ جہاں استعارات کا باب رکھا وہاں محکمات کی بھی ایک شاخ رکھ دی۔ کیونکہ جہاں استعارہ ہو گا وہاں انسان وسیع معنی کرسکے گا اور ممکن ہے کوئی اِنسان معانی کو اِس قدر وسعت دے یا ایسے معنی بھی کرے جو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ہوں۔ لیکن اسے یہ کس طرح پتہ لگے کہ فلاں معنی خدا تعالیٰ کی منشاء کے خلاف ہیں اور فلاں منشاء کے ماتحت۔ اِس کے لئے کوئی کسوٹی ہونی چاہیئے وہ کسوٹی یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے بڑے بڑے اصولِ دین کے لئے ایسے الفاظ رکھے ہیں جن میں کوئی استعارہ اور تشبیہہ نہیں بلکہ وہ عین مطابق ہیں اور ان کو خدا تعالیٰ نے بطور حَکَم کے رکھ دیا ہے وہ اِس بات کا فیصلہ کر دیتے ہیں کہ جو آیات ذو المعانی ہیں ان کے فلاں معنی خدا تعالیٰ کی منشاء کے خلاف ہیں اور فلاں معنی بالکل مطابق۔ کیونکہ جو معنی ان کے خلاف ہوں گے وہ ضرور غلط اور خدا تعالیٰ کی منشاء کے خلاف ہوں گے لیکن جو ان کے خلاف نہیں ہوں گے وہ غلط نہیں ہوسکتے خواہ ایک ہی آیت کے کتنے معنی نکلتے آئیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقیہوں نے ایک ہی آیت کے کئی کئی معنی کئے ہیں اور رسول کریمؐ نے بھی فرمایا ہے کہ ہر ایک آیت کے سات بطن ہیں[1] اور ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ جبتک ایک آیت کے پچیس[25] معانی کسی کو معلوم نہ ہوں اُس وقت تک وہ فقیہہ نہیں کہلا سکتا۔ اس صحابی کو جُھوٹا تو کہہ نہیں سکتے اور نہ ہی ہم آنحضرتؐ کی اِس بات کو کہ ہر ایک آیت کے سات بطن ہوتے ہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ اِس لئے اب یہی معنی کریں گے کہ بطن سے مراد ایک بڑا جُزو اور حصّہ ہے اس سے آگے ہر ایک بطن کے کم از کم پچیس پچیس معانی ہوتے ہیں۔ پس جب کسی کو ایک بطن کے پچیس معانی آتے ہوں تب وہ فقیہہ ہو سکتا ہے۔ اس سے دیکھو کہ معانی میں کس قدر وسعت ہوگئی ہے۔ پھر رسول کریمؐ کی صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ایک ہی آیت کے ایک جگہ ایک اور دوسری جگہ دوسرے معنے کئے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی نسبت بھی ایسا ہی ثابت ہے۔ اب یہ تو کہا نہیں جاسکتا کہ دوسرے معنے غلط ہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ ایک آیت کے کئی معنے ہوتے ہیں کیونکہ ایک ہی آیت میں خدا تعالیٰ نے بہت سے معانی اور مطالب رکھے ہوئے ہیں جو کُھلتے رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے اگر اللہ تعالیٰ کے کلام کے ایک چھوٹے سے حصّہ میں جو کچھ مراد ہے وہ سب کچھ الفاظ میں بنایا جاتا تو قرآن کریم اِتنا بڑا ہو جاتا کہ

---

[1] بخاری کتاب فضائل القرآن باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف

کوئی پڑھ بھی نہ سکتا لیکن اب خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کو ایسے مختصر طور پر اُتارا ہے کہ ہر ایک اسے پڑھ سکتا اور اپنی لیاقت اور قابلیت کے مطابق اسے سمجھ سکتا ہے اور اس کے معانی سے آگاہ ہوسکتا ہے اب جس قدر کوئی قرآن کریم کے مطالب اور معانی پر آگاہ ہوسکتا ہے اس کے لئے وہی قرآن ہے اور جُوں جُوں کسی میں تقویٰ و طہارت بڑھتا جاتا ہے اسی قدر قرآن کریم کے زیادہ معارف اس پر کُھلتے جاتے ہیں اور اس کے لئے یہی چھوٹا سا قرآن کریم بہت وسیع ہوجاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تصانیف میں بعض جگہ لکھا ہے کہ قرآن کریم کی آیات کے معنی مجھ پر اِس قدر کھولے جاتے ہیں کہ مَیں الفاظ نہیں پاتا کہ ان کو ادا کرسکوں۔

یہ ہے دوسری وجہ متشابہات کے رکھنے کی۔ پس کیا ہم متشابہات کو بُرا کہہ سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ اگر یہ بُرائی اور نقص ہوتا تو خدا تعالیٰ اس کو قرآن کریم میں کیوں رکھتا۔ پھر خدا تعالیٰ نے تو اس کو سُورہ زمر میں اپنے فضلوں میں سے ایک فضل قرار دیا ہے اور دوسرے مذاہب پر ایک حُجّت قائم کرتے ہوئے قرآن کریم کی یہ ایک خوبی جتلائی ہے کہ

کِتَابًا مُّتَشَابِهًا [1]

اور تشبیہات قرآن کریم میں کثرت سے ہیں اور یہ اس کی خوبی ہے لیکن اگر کوئی متشابہات کو نقص قرار دیتا ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ قرآن کریم کو ناقص قرار دے رہا ہے مگر قرآن کریم ناقص نہیں ہوسکتا پس ثابت ہُوا کہ یہ نقص نہیں بلکہ خوبی ہے۔

متشابہات رکھنے کی اَور بھی بہت سی حکمتیں ہیں لیکن اوّل تو آج کچھ دیر ہوگئی ہے دوسرے اس وقت مجھے ایک اَور مضمون بیان کرنا ہے پھر کبھی خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو اس کے متعلق بیان کروں گا۔

یہ آیات جو مَیں نے پڑھی ہیں ان میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض لوگ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ محکمات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ مَیں نے ابھی بتایا ہے کہ متشابہات کے الفاظ ہی ایسے رکھے جاتے ہیں کہ ان کے ذریعہ کثیر معانی پیدا ہوسکیں۔ پس جب ایسا ہوگا تو ایسے معنی بھی کئے جاسکیں گے جو کلام کرنے والے کی منشاء کے خلاف ہوں گے اِس بات کے ازالہ کیلئے خدا تعالیٰ نے محکمات رکھی ہیں لیکن وہ لوگ جن کے دِلوں میں گند اور ناپاکی ہوتی ہے وہ بالکل متشابہات کی طرف چلے جاتے ہیں اور محکمات کو جج نہیں مقرر کرتے اِس لئے ٹھوکر کھا کر خود بھی گمراہ ہوجاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس میں نہ تو (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ کا قصور ہے اور نہ ہی شریعت کا

---

[1] الزمر: ۲۴

اور نہ ہی ان الفاظ کا کیونکہ خدا تعالیٰ نے ٹھوکر سے بچنے اور سیدھے راستہ پر چلنے کے لئے محکمات کو رکھا ہوا ہے ان کے مطابق اگر کسی متشابہ آیت کے بیسیوں نہیں سینکڑوں اور ہزاروں معنی کئے جائیں تو جائز اور بالکل درست ہیں لیکن ان کے خلاف اگر ایک معنی بھی کئے جائیں تو وہ بھی درست نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی کو کسی متشابہ آیت کے وہ معنی کرنے نہیں آتے جو محکمات کے مطابق ہوں تو وہ نہ کرے لیکن یہ اس کے لئے ہرگز جائز اور درست نہیں کہ ان کے خلاف معنی کر دے جو کوئی ایسا کرے گا وہ ایک بہت بڑی غلطی کا مرتکب ہوگا اور اِس طرح سیدھے راستہ سے بہت دُور جا پڑے گا۔

ہمارے موجودہ اِختلاف میں بھی اِس بات سے بعض لوگوں کو دھوکہ لگا ہے۔ بعض اَوقات ایک اِنسان کسی معمولی سی بات پر اَڑ جاتا ہے اور پھر ضِد اور ہَٹ سے کہیں کا کہیں نکل جاتا ہے ایسی حالت میں اس کے لئے کوئی بات بھی کارگر نہیں ہوتی۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی کو کہا جائے کہ تم نے یہ بات قرآن کریم کے خلاف کی ہے تو وہ غصہ کی حالت میں کہہ دیتا ہے کہ جاؤ قرآن کو گھر رکھو۔ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جا رہے تھے کہ ایک عورت قبر پر بیٹھی رو رہی تھی آپؐ نے اسے فرمایا صبر کرو اس نے کہا اگر تیرا بچہ مرتا تو تجھے پتہ لگتا کہ صبر کس طرح ہو سکتا ہے[۵]۔ اس نادان کو کیا معلوم تھا کہ جتنے بچے آپؐ کے فوت ہوئے ہیں اگر اتنے اس کے فوت ہوتے تو غم سے مر ہی جاتی۔ تو جب کوئی شخص غصہ اور ضِد میں ہو تو ان باتوں کی بھی پرواہ نہیں کرتا جن کو وہ صحیح اور درست مانتا ہے اور ان کے خلاف کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتا ہے کسی پٹھان کی نسبت مشہور ہے کہ جب فِقہ اور حدیث کے جھگڑے شروع ہوئے تو یہاں تک بڑھے کہ اس نے کسی حدیث میں پڑھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھتے ہوئے دروازہ کھولا یا بچے کو گود سے اُتارا تو اس نے کہہ دیا کہ او محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نماز ٹوٹ گیا۔ اِس طرح اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہتک کرنے کی پرواہ نہ کی۔ پھر بعض نے اِسی ضِد میں امام بخاری کی بڑی سخت ہتک کی ہے۔ تو ضِد میں انسان کسی بات کی پرواہ نہیں کرتا۔

اِس وقت کچھ لوگ ہمارے مقابلہ میں بھی ضِد اور ہٹ دھرمی کو لے کر اُٹھے ہیں اور یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے کہہ دیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اِلہام کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ حتیٰ کہ ان میں سے ایک نے کہہ دیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام ضعیف حدیث سے بھی کمتر ہیں۔ ضعیف حدیث کے کیا معنی ہیں؟ یہی کہ ایسے شخص کی روایت سے پہنچی ہوئی حدیث جو جھوٹا ہو یا جھوٹ کا عادی تو نہ ہو لیکن معتبر بھی نہ ہو یا اس کا حافظہ ایسا ہو کہ کسی بات کو صحیح طور پر یاد نہ رکھ سکتا ہو۔ یا ایسا شخص جس نے جان بُوجھ کر کوئی جھوٹی حدیث بنائی ہو۔ ایسے راویوں کی بیان کی ہوئی

---

۵ بخاری کتاب الجنائز باب زیارۃ القبور

حدیث کو ضعیف کہتے ہیں۔ اور اگر ایسے راویوں کی روایت سے کوئی حدیث پہنچے جو سچے اور معتبر ہوں اور جن کے حافظہ میں نقص نہ ہو تو اس حدیث کو ضعیف نہیں کہتے۔ پس جس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اسی طرح فرمائی ہے مگر وہ آپؐ کا ادنیٰ قول ہے بلکہ یہ ہے کہ اس کے پہنچانے والوں نے ہم تک درست اور صحیح نہیں پہنچائی۔ اس کے متعلق سوال راویوں کے سچے اور جھوٹے ہونے پر ہے جس حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے وہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے راوی قابلِ اعتبار نہیں ہوتے اور جس کو صحیح کہا جاتا ہے وہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے راوی قابلِ اعتبار اور سچے ہوتے ہیں۔ اب بحث اس بات پر ہے کہ کیا ہم ایسے راویوں کی باتیں مانیں جن کے سچے اور معتبر ہونے کا بھی اعتبار نہیں۔ یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتوں کو مانیں جو کہتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے یہ کہا ہے۔ دیکھو ایک شخص کہتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے لیکن اس نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کو نہیں سنا بلکہ بیسیوں ایسے انسانوں کی روایت سے اس تک وہ بات پہنچی ہے جن میں سے بعض جھوٹے ہیں۔ بعضوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا بعضوں کی نسبت پتہ ہی نہیں کہ کون تھے اور بعضوں کی نسبت یہ شبہ ہے کہ جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ اس سے ہم نے یہ بات سنی ہے اس سے وہ ملے بھی ہیں یا نہیں ایسے لوگوں کی معرفت پہنچی ہوئی کسی بات کو ہم مان لیں یا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جو کہتے ہیں کہ مجھے خدا تعالیٰ نے براہِ راست فلاں بات بتائی ہے۔ ہر ایک وہ شخص جس کے دل میں حق کا تھوڑا سا مادہ بھی ہے وہ یہی کہے گا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کو ماننا چاہیئے لیکن کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ نہیں حضرت مسیح موعود کے الہامات کو نہیں ماننا چاہیئے بلکہ ان لوگوں کی باتوں کو ماننا چاہیئے اور ان کے ماتحت حضرت صاحب کے الہامات کو رکھنا چاہیئے جو ضعیف حدیث بیان کرتے ہیں۔ ایسا کیوں کہا گیا صرف ہمارے بغض اور حسد کی وجہ سے۔

اب جبکہ انہوں نے یہ کہہ دیا تو انہیں اپنی تائید کے لئے دلائل کی بھی ضرورت پیش آئی اور سب سے بڑی دلیل انہوں نے یہ دی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہام ایسے ہیں جن میں شرک پایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک تو یہ ہے کہ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ[1]۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر کسی متشابہ الہام کی وجہ سے حضرت مسیح موعود کے الہامات ضعیف حدیثوں کے بھی ماتحت رکھے جائیں گے تو پھر قرآن کریم کو بھی ضعیف حدیثوں کے ماتحت رکھنا پڑے گا کیونکہ اس میں بھی متشابہ آیات ہیں۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ حضرت مسیحؑ مُردے زندہ کرتے تھے۔ پھر مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی[2]۔ رسول کریم

---

[1] تذکرہ صفحہ ۵۲۶

[2] الانفال: ۱۸

کے کنکر پھینکنے کی نفی کی گئی ہے حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر پھینکے اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہے[1]۔ اب یا تو یہ کرنا ہوگا کہ ان حدیثوں کو بھی غلط اور بناوٹی قرار دیا جائے جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنکر پھینکنے کا ذکر ہے یا یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن کریم میں یہ استعارہ ہے۔ حدیثوں کو تو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی وہ غلط ہیں اِس لئے یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن کریم میں استعارہ کے رنگ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ پس جبکہ قرآن کریم میں استعارہ ہے اور اس کو استعارہ سمجھ کر بھی پھر قبول کیا جاتا ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اِلہام کیوں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اگر استعارہ کی وجہ سے حضرت مسیح موعود کا الہام ناقابلِ قبول ہے تو اس کے چھوڑنے سے پہلے قرآن کریم کو چھوڑنا چاہیئے۔ اور اگر کہا جائے کہ قرآن کریم میں متشابہات کے مقابلہ میں محکمات بھی ہیں ان سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اگر ایک جگہ یہ آیا ہے کہ حضرت مسیح مُردے زندہ کرتا تھا تو دوسری جگہ یہ بھی تو آ گیا ہے کہ خدا کے سوا اَور کوئی زندہ کرنے اور مارنے والا نہیں ہے۔ اِس سے معلوم ہو گیا کہ مسیح کے مُردہ زِندہ کرنے کا کوئی اَور مطلب ہے اور وہ یہ کہ رُوحانی مُردے زندہ کرتا تھا۔ تو اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اگر مسیح موعودؑ کا یہ الہام ہے کہ انت مِنّی بمنزلۃ ولدی تو آپ ہی کے الہامات میں یہ بھی ہے کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں۔ پس اگر قرآن کریم کی ایک آیت دوسری آیت کی تشریح کر دیتی ہے تو پھر کیوں ہم حضرت مسیح موعود کے ایک اِلہام کی تشریح دوسرے الہام سے نہ کریں۔ اگر حضرت مسیح موعود کے الہامات متشابہات کے رنگ میں ہی ہوتے اور محکمات نہ ہوتے تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ ان میں شرک پایا جاتا ہے لیکن آپ کے الہامات تو محکمات بھی ہیں اور اگر ایک میں انت مِنّی بمنزلۃ ولدی آیا ہے تو دوسرے میں یہ بھی آیا ہے کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔ اب قرآن کریم کی آیات اور حضرت مسیح موعودؑ کے اِلہامات کی ایک ہی حالت ہے پھر یہ کہاں کی دینداری ہے کہ انت مِنّی بمنزلۃ ولدی کے الہام کو لیکر حضرت مسیح موعود کے تمام الہامات کو ضعیف حدیث سے بھی نیچے گرا دیا جائے۔ جو کوئی اِس طرح کرتا ہے اسے قرآن کریم بھی چھوڑنا پڑے گا کیونکہ ایک طرف تو قرآن کہتا ہے کہ حضرت مسیح مُردے زندہ کیا کرتا تھا اور اُدھر کہتا ہے کہ صرف خدا ہی زندہ کرتا ہے پس جو حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کو چھوڑے گا اسے قرآن کریم چھوڑنا پڑے گا۔ مگر مَیں کہتا ہوں کیا حدیثوں میں متشابہ نہیں ہیں۔ ایک ہزار متشابہ احادیث نکال دینے کا تو مَیں ذمہ دار ہوں۔ وہی حدیث جس میں نبی اللہ کا لفظ آیا ہے اس کے متعلق غیر مبائعین کہتے ہیں کہ اس میں استعارہ کے طور پر نبی اللہ کہا گیا ہے۔ اسی سے ثابت ہو گیا کہ حدیث میں بھی استعارہ ہے پھر اس کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔ اب اُس شخص کو جو حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات کو ضعیف حدیث

---

[1] سیرت ابنِ ہشام جزو ۲ صفحہ ۶۲۸ ۔

کے ماتحت اِس لئے رکھتا ہے کہ ان میں استعارے ہیں چاہیئے کہ کہہ دے کہ قرآن کریم اور احادیث اور حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات سب کو چھوڑ دینا چاہیئے اور ان کو میرے الفاظ کے ماتحت لانا چاہیئے کیونکہ ان سب میں استعارے ہیں۔ پھر عجیب بات ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب کو نبی تو کہا گیا ہے مگر اس سے مراد ظلّی نبی ہے تو اس کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔ سب کچھ چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گویا مذہب کوئی چیز ہی نہیں نہ قرآن ماننے کے قابل نہ حدیث ماننے کے قابل نہ حضرت مسیح موعود کے الہامات ماننے کے قابل۔ کیونکہ اِن سب میں استعارے ہیں اِن سب کو چھوڑ کر سوفسطائی بن جانا چاہیئے۔ کسی بادشاہ کی نسبت مشہور ہے کہ اس نے کسی سوفسطائی کو ہاتھی کے سامنے ڈال دیا جب وہ بھاگنے لگا تو بادشاہ نے کہا بھاگتے کیوں ہو اسکو بھی خیال ہی سمجھ لو۔ اس نے کہا بھاگتا کون ہے یہ بھی آپ کا خیال ہی ہے کہ میں بھاگ رہا ہوں۔ تو متشابہات کے ہونے کی وجہ سے جو سب کچھ چھوڑ دیا گیا تو پھر پیچھے وہم ہی وہم رہ گیا۔ قرآن کریم کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ[1] کہ اس میں محکمات اور متشابہات ہیں۔ لیکن جس میں متشابہات ہوں وہ تو قابلِ اعتبار نہیں اس لئے اس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ پھر احادیث میں متشابہات ہیں اِس لئے وہ بھی قابلِ قبول نہیں ان کو بھی ترک کر دینا چاہیئے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات میں متشابہات ہیں ان کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے۔ جب اِن سب کو چھوڑ دیا گیا تو پھر باقی رہ کیا گیا۔

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ استعارے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو لُغت میں شامل ہیں اور دوسرے وہ جو ہر انسان خود بنا لیتا ہے۔ دوسری قسم کے استعاروں کے متعلق شُبہ ہو سکتا ہے کہ ان میں شرک کی آمیزش ہے اور وہ مشکل سے سمجھ میں آ سکتے ہیں مگر وہ جو زبان کے اندر داخل ہو گئے ہوں ان کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں جو استعارہ ہے وہ بھی اسی قِسم کا ہے۔ ولد کے دو معنی لُغت میں آئے ہیں (۱) بیٹا (۲) جماعت۔ تو انت مِنّی بمنزلة ولدی کے وہی معنی ہوئے جو جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء[1] کے ہیں کہ تُو مجھے ایسا پیارا ہے جیسے ایک جماعت پیاری ہوتی ہے۔ لُغت کی مشہور کتب لسان اور تاج میں ولد کے معنی رہط کے آئے ہیں اور رہط جماعت کو کہتے ہیں جیسا کہ حضرت شعیبؑ کی نسبت قرآن کریم میں آیا ہے کہ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ[2] تو ولد کے معنی اولیاء کی جماعت ہوئی۔ اِس لئے اِس الہام کے یہ معنی ہوئے کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتا ہے کہ تُو میرے نزدیک وہی درجہ رکھتا ہے جو انبیاءؑ کی ایک جماعت رکھتی ہے کیونکہ آپؑ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر ہیں اور آپؑ کا مظہر تمام انبیاءؑ کا قائم مقام ہے جیسا کہ قرآن کریم

---

[1] تذکرہ صفحہ ۷۹ ❊ [2] ہود: ۹۲ ❊

نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بعثت کو تمام انبیاءؑ کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ فرمایا وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ[1] پس جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوحؑ، ابراہیمؑ، یعقوبؑ، اسحٰقؑ، اسمٰعیلؑ موسیٰؑ اور مسیحؑ تھے۔ اسی طرح آپؐ کے بروز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ان سب کے قائم مقام ہیں۔ تو انت مِنّی بمنزلۃ ولدی کے معنی ہیں انت منّی بمنزلۃ رھطی یعنی آپ کا خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ درجہ اور رُتبہ ہے کہ جو انبیاءؑ کی جماعت مجموعی طور پر پا سکتی ہے۔ اب کوئی یہ تو کہہ سکتا ہے کہ اس سے دوسرے انبیاءؑ کی ہتک ہوگئی ہے لیکن یہ ہرگز نہیں کہہ سکتا کہ اس سے شرک پایا جاتا ہے۔ پس یہ بات باطل ہوگئی کہ آپ کے الہاموں میں شرک پایا جاتا ہے۔ پھر انت منّی بمنزلۃ ولدی سے شرک نہ ہوا بلکہ توحید قائم ہوئی کیونکہ یہ وہ زمانہ تھا جس میں تمام اُمّتوں میں شرک پایا جاتا تھا اس کو حضرت مسیح موعودؑ نے آکر دُور کیا یہی وجہ ہے کہ ان نبیوں کے نام آپ کو دیئے گئے۔ پھر آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت اور اُلفت میں ایسے صاف ہوئے کہ آپ کا عکس اپنے اندر لے لیا اس لئے آپؐ کا نام بھی پایا۔ اس میں شرک کی کونسی بات ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ کے ان الہامات میں شرک ہے ان کے علم و عقل کا پردہ فاش ہوگیا ہے۔ انہوں نے اعتراض تو ایک ایسے انسان پر کیا جو جری اللہ فی حلل الانبیاء ہے لیکن خود اتنی بھی تحقیقات نہیں کی کہ اس الہام کے معنی کیا ہیں۔ کسی نے کہا ہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

اس وقت ایسے لوگ بھی ہیں جو احمدی کہلا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ مگر ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ جو حملہ بھی کریں گے وہی ان کی علمیت کی چادر کو چاک چاک کر دیگا ان کو اگر اپنے علم کا دعویٰ ہے تو ہو ہمیں نہیں ہے۔ لیکن اگر ساری دُنیا کے عالم بھی ان کے ساتھ مل کر آجائیں گے تو وہی لوگ جن کو انہوں نے جہال کی جماعت کہا تھا ان کی ایسی پردہ دری کریں گے کہ ان کے لئے مرنا جینے سے اچھا معلوم ہوگا اور وہ مرنے کو بہتر سمجھیں گے۔ پس ان کے لئے بہتر ہے کہ توبہ اور استغفار کرلیں اور پیشتر اس کے ان کی پردہ دری ہو اپنی ان حرکات سے باز آجائیں ورنہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات کا درجہ متشابہات کی وجہ سے ضعیف حدیث سے بھی گھٹ جاتا ہے تو پھر قرآن کریم اور صحیح حدیثوں کا بھی یہی حال ہوگا اور انہیں بھی ان کو چھوڑنا پڑیگا کیونکہ ان میں بھی متشابہات ہیں۔

---

[1] المرسلات : ۱۲

اِسی قسم کے کئی ایک اعتراض ان کی طرف سے کئے گئے ہیں جن میں انہوں نے اپنی علمی برتری دکھانے کی کوشش کی ہے لیکن ہر دفعہ ہی نہایت ذلیل اور رُسوا ہوئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک نے کہا تھا کہ مسلم کی حدیث میں جو نبی اللہ کا لفظ آیا ہے اس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں بلکہ کسی ہندی کا ہے کیونکہ نبی کے ساتھ اللہ کا لفظ لگایا گیا ہے۔ جب کوئی نبی ہوگا تو اللہ ہی کا نبی ہوگا پھر نبی اللہ کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو ہم کہتے ہیں کہ انبیاء اللہ جو قرآن کریم میں آیا ہے وہ کیا کسی عجمی نے قرآن کریم میں داخل کر دیا ہے۔ کیسی نادانی اور جہالت کی بات ہے لیکن اس پر بڑا فخر کیا گیا جس کے نتیجہ میں آخر ذلت اُٹھانی پڑی۔ اب بھی ایسا ہی ہوگا اور اِنّی مھینٌ من اراد اھانتك[1] کے ماتحت جو حضرت مسیح موعودؑ کی ہتک کرے گا وہ خود ذلیل اور رُسوا ہوگا۔ صرف آپ کی ہتک کرنے والا کبھی عزّت نہیں پا سکتا تو پھر آپ کے الہامات کی ہتک کرنے والا کہاں عزّت پا سکتا ہے کیونکہ جو الہامات کی ہتک کرتا ہے وہ اس کی ہتک کرتا ہے جس کا وہ کلام ہے یعنی خدا تعالیٰ کی۔

خدا تعالیٰ ان لوگوں کی آنکھیں کھولے اور انہیں حق کے سمجھنے کی توفیق دے اور اس ذلّت و رسوائی سے بچائے جس کے سامان وہ اپنے ہاتھوں کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان کو ذلّت ان کے اپنے ہی افعال سے پہنچتی ہے مگر وہ کہلاتے تو احمدی ہیں اِس لئے ہمیں افسوس بھی آتا ہے اور ہم دُعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انہیں سمجھ دے۔

(الفضل ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۶ء)

---

[1] تذکرہ صفحہ ۳۴۔